35

ہمارے ملک میں بعض ایسے فنون ہیں کہ اگر انہیں اب بھی استعمال میں لایا جائے تو ہمارا ملک ترقی کر سکتا ہے

(فرمودہ 16 اکتوبر 1953ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

''پچھلے جمعہ میں مَیں نے کہا تھا کہ اِس ہفتہ میں لاہور آپریشن کے لیے جاؤں گا۔ کیونکہ پاؤں کے زخم کو تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوگیا ہے۔ چند دن ہی سال میں سے رہ گئے ہیں۔ پچھلے سال نومبر میں چوٹ لگی اور یہ زخم ہوگیا۔ پہلے خیال گزرا کہ یہ معمولی زخم ہے چند دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا لیکن جلسہ سالانہ کے بعد زخم زیادہ خراب ہوگیا۔ اس کے بعد خیال پیدا ہوا کہ بوٹ کے دباؤ کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہوگئی ہے مگر بعد میں یہ تکلیف اِتنی بڑھی کہ رات کو سونا مشکل ہوگیا۔ اور اگر نیند آجاتی تھی تو ہر کروٹ کے ساتھ تکلیف بڑھ جاتی اور جب تک پاؤں کو آرام سے پکڑ کر ایک طرف سے دوسری طرف نہ رکھا جاتا حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک قیاسی طور پر علاج ہوتا رہا اور خیال تھا کہ زخم انگوٹھے کے کنارہ تک ہے کیونکہ جب ناخن کاٹا جاتا تھا تو انگوٹھے پر تھوڑا سا سُرخ نشان دکھائی دیتا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ناخن کے نیچے زخم ہے اور اُسی حد تک اِس کا علاج ہوتا رہا۔ جب ناخن بڑھ جاتا تھا اُس کو کاٹ دیا جاتا تھا اور پھر زخم نظر

آ جاتا تھا۔ اِس کے بعد خیال کیا گیا کہ ناخن گوشت کے اندر گھس گیا ہے۔ انگریزی میں اِس کو Ingrowing Toe nail کہتے ہیں۔ اِس بیماری میں ناخن گوشت کے اندر گھسنا شروع ہوجاتا ہے۔ مئی کے آخر میں یا جون کے شروع میں مَیں لاہور گیا۔ اور ایک ڈاکٹر کو زخم دکھایا تو اُس نے بھی کہا کہ یہی بیماری ہے۔ اور اِس کا آپریشن کرانا ضروری ہے۔ چونکہ جلد ہی میں نے سفرِ سندھ پر جانا تھا اور وہاں جا کر کام کے سلسلہ میں گھوڑوں پر سواری بھی کرنی پڑتی ہے اس لیے خیال کیا کہ سواری کرنے کی وجہ سے تکلیف بڑھ جائے گی اس لیے سفر سے پہلے آپریشن نہ کرایا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کو جب سفر کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے بھی تسلیم کیا کہ اِس طرح بیماری بڑھ جائے گی اور اِس عمر میں زخم دیر میں ٹھیک ہوتا ہے۔ اس لیے انہوں نے اِس بات کی اجازت دے دی کہ آپریشن سفر سے واپسی پر کرالیا جائے۔ میں نے بھی یورپ کے سفر پر جانا ہے اُس وقت تک میں بھی سفر سے واپس آ جاؤں گا۔

اِسی تسلسل میں جب ہم سفر سے واپس آئے تو سرجن کو اطلاع دی لیکن ساتھ ہی بعض مشکلات پیش تھیں جن کی بناء پر سفر مشکل معلوم ہوتا تھا۔ اِسی کشمکش میں ہر دفعہ سفر آٹھ دس دن تک ملتوی ہوتا رہا۔ اب جس دن لاہور جانے کا ارادہ تھا اُس سے ایک دن پہلے ایک احمدی جرّاح (محمد اسماعیل صاحب شیخوپورہ) آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے بھی ایسے علاج کیے ہیں۔ میرے خیال میں اِس زخم کا علاج ہوسکتا ہے۔ آپ مجھے زخم دکھا دیں۔ چنانچہ میں نے انہیں زخم دکھایا۔ انہوں نے بتایا میں نے اِس سے قبل اِس قسم کے علاج کیے ہیں۔ میرے نزدیک میں اس زخم کا علاج کرسکتا ہوں۔ آپ دو دن تک اِس زخم پر پانی کی پٹی کریں۔ اور کچھ تدبیریں بتائیں کہ دو دن تک ایسا کریں۔ تیسرے دن آ کر میں آپریشن کردوں گا۔ میں نے کہا ناخن کاٹنے سے تکلیف ہوگی۔ انہوں نے کہا ناخن کاٹنے کی وجہ سے کسی تکلیف کا احتمال نہیں ہوسکتا۔ چونکہ ہمارے ملک سے پرانے پیشے مفقود ہورہے ہیں اس لیے مجھے اُن کے ایسا کہنے سے تسلی نہ ہوئی۔ عام طور پر جتنے بھی پیشے تھے باوجود اِس کے کہ وہ نہایت قیمتی تھے لوگوں کی نظر میں گر گئے ہیں۔ چونکہ اول تو تجربہ کے ساتھ ساتھ علم کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور وہ علمی حصہ ہمارے ملک سے جاتا رہا ہے۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے ماہرِ فن انجینئر ہیں۔ مگر علمی طور پر وہ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔

وہ یہ تو کہہ دیں گے کہ ہم ایسا کر دیں گے لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ ایسا کیوں ہو جائے گا۔ کیونکہ علمی حصہ انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ اگر کسی یورپین صنّاع سے پوچھا جائے تو وہ نہ صرف کوئی کام کر دے گا بلکہ اُس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی بتائے گا کہ ایسا کیوں ہو جائے گا۔

ایک دفعہ میرے پاس ایک پرانے خاندانی معمار آئے انہوں نے کہا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے شاہی قلعوں اور شاہی محلات میں فوارے بنائے تھے۔ اور یہ کہ وہ ایسے ایسے فوارے لگا سکتے ہیں۔ انہوں نے مجھے فواروں کی بڑی عجیب عجیب قِسمیں بتائیں اور کہا اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے باغ میں یا دارالحمد میں ایسے فوارے لگا دوں۔ میں نے کہا ہمارے ہاں تو فواروں کا رواج نہیں ہاں علمی طور پر مجھے ان باتوں سے دلچسپی ہے۔ میں علمی طور پر اس کے متعلق آپ سے بات کر لیتا ہوں۔ جب میں نے اُن پر جرح کی تو انہوں نے کہا کہ مجھے یہ پتا نہیں کہ یہ کیسے ہو جاتا ہے لیکن میں اِس قسم کا فوارا بنا سکتا ہوں۔ میں نے کہا جب تک مجھے آپ یہ نہیں بتائیں گے کہ یہ کام کیسے ہو جاتا ہے مجھے تسلی نہیں ہوسکتی۔ دوسرے کی تسلی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ یہ بھی بتایا جائے کہ فلاں کام کس طرح ہو جاتا ہے۔ یورپین لوگوں کو دیکھ لو۔ جب اُن سے کوئی بات دریافت کی جاتی ہے تو سب سے پہلے وہ کالج کی سند نکال کر رکھ دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہم اِتنے سال تک فلاں جگہ پڑھے ہیں اور فلاں سند ہمارے پاس ہے۔ اس سے سننے والے کو تسلی ہو جاتی ہے کہ اُس نے جو کچھ پڑھا ہے اُس کی وجہ سے یہ اِس لائق ہے کہ اس پر اعتبار کر لیا جائے۔ بعض دفعہ وہ شخص نالائق بھی ہوتا ہے لیکن پانچ فیصدی ایسے کیس ہوں گے کہ وہ نالائق ہوگا۔ پچانوے فیصدی ایسے ہوں گے کہ وہ لائق ہوگا۔ بہرحال اتنا قیاس تو ہوسکتا ہے۔ میں نے اُس معمار سے کہا کہ تمہارے پاس علمی لحاظ سے کیا دلیل ہے کہ تم پر اِس بارہ میں اعتماد کر لیا جائے؟ انہوں نے کہا میرے باپ دادے ایسے تھے۔ میں نے کہا مجھے اِس سے کس طرح تسلی ہوسکتی ہے۔ میں آپ کے باپ دادوں کو تو جانتا نہیں۔ اُس نے کہا میں اتنا بتا سکتا ہوں کہ میں اِس قسم کی چیزیں بنا سکتا ہوں۔ غرض ہمارے ملک میں جتنے پیشے تھے وہ اب مٹتے جا رہے ہیں اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ علمی حصہ ہر فن کا گر گیا ہے اور صرف عملی حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اور چونکہ علمی حصہ باقی نہیں رہا اس لیے تعلیم یافتہ اور عقل مند لوگ ان پیشوں سے فائدہ اٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔ ایک جاہل تو

کہہ دے گا اچھا! تمہیں فلاں فن آتا ہے۔ اگر وہ یہ کہہ دے گا کہ میں مُردے زندہ کر سکتا ہوں تو ایک جاہل کہہ دے گا اچھا! تم مردہ زندہ کر سکتے ہو۔ میرا باپ بھی مر گیا ہے تم اُسے زندہ کر دو۔ لیکن ایک عقلمند اُس سے پہلے یہ پوچھے گا کہ تم نے پڑھا کیا ہے؟ مثلاً اگر وہ کہے گا کہ میں بخار کا علاج کر سکتا ہوں تو وہ اُس سے دریافت کرے گا بخار کیا ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے اگر وہ یہ جواب دے گا کہ مجھے پتا نہیں کہ بخار کیا ہوتا ہے تو ایک تعلیم یافتہ اور عقلمند آدمی باوجود اُس کے سچ بولنے کے اس پر اعتبار نہیں کرے گا۔ پس یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ سب پرانے فنون مٹ گئے ہیں۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے ماہرِ فن تھے جو ختم ہو گئے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام دہلی تشریف لے گئے بعد میں آپ نے نانا جان میر ناصر نواب صاحب کو بھی وہاں بلا لیا۔ وہاں نانا جان کے پیٹ میں شدید درد ہوئی ڈاکٹروں کو دکھایا گیا تو انہوں نے بتایا یہ اپنڈے سائٹس (APPENDICITIS) ہے اور اُس کا آپریشن کرانا پڑے گا۔ اور آپریشن بھی تین چار گھنٹے کے اندر اندر کرانا پڑے گا ورنہ مریض کی جان خطرے میں ہے۔ آپ مریض کو فوری طور پر ہسپتال بھیج دیں۔ میر صاحب کا دل کمزور تھا۔ وہ آپریشن سے گھبراتے تھے۔ انہوں نے کہا آپریشن سے بھی مرنا ہے اور یوں بھی مرنا ہے۔ آپ میرا کوئی اَور علاج کریں آپریشن نہ کرائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا آپریشن میں زبردستی تو نہیں کی جا سکتی۔ مریض کی مرضی سے ہی آپریشن کروایا جا سکتا ہے۔ اگر میر صاحب آپریشن کروانا پسند نہیں کرتے تو کسی طبیب سے علاج کرایا جائے۔ چنانچہ ایک پرانا طبیب بلایا گیا۔ اُس نے آپ کو دیکھا اور کہا کہ میں ابھی دوا بھجواتا ہوں۔ وہ دوا مریض کو کھلا دی جائے۔ اور ایک دوا پیٹ پر لگا دی جائے درد ہٹ جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے دوا بھجوائی اور وہ میر صاحب کو کھلائی گئی اور دوسری دوا پیٹ پر لگائی گئی۔ بیس پچیس منٹ کے بعد آپ سو گئے۔ اور چار پانچ گھنٹے کے بعد آپ بالکل تندرست ہو گئے اور چلنے پھرنے لگ گئے۔ اب دیکھو ایک طرف ڈاکٹر کہتا تھا یہ اپنڈے سائٹس (APPENDICITIS) ہے اس کا فوری طور پر آپریشن کروانا پڑے گا ورنہ مریض کی جان خطرہ میں ہے۔ اور دوسری طرف ایک طبیب یہ کہتا ہے کہ یہ معمولی تکلیف ہے دوا سے ٹھیک ہو جائے گی۔ غرض کئی فنون تھے جو ہمارے

ملک میں موجود تھے لیکن بدقسمتی سے جس طرح ہم نے دین کو ضائع کر دیا ہے۔ اِسی طرح فنون کو بھی ضائع کر دیا ہے۔ اب یا تو وہ فنون بالکل مٹ گئے ہیں اور اگر باقی رہ گئے ہیں تو اُن کے عملی حصے باقی رہ گئے ہیں۔ اور بوجہ اِس کے کہ اُن کی بیک گراؤنڈ (BACKGROUND) یا علمی بنیاد اچھی نہیں ان کی قدر گر گئی ہے۔ اب جو باتیں ایک انجینئر کہتا ہے وہی باتیں ایک معمار کہتا ہے۔ لیکن جب فن کے متعلق کوئی بات ہوتی ہے تو انجینئر آگے آجاتے ہیں اور معمار پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اس لیے ان لوگوں کا اعتبار مٹ گیا ہے۔

جس وقت وہ جرّاح میرے پاس آئے تو لازماً میرے دل میں بھی شبہ پیدا ہوا۔ لیکن چونکہ لاہور جانے میں مشکلات تھیں۔ اس لیے میں نے خیال کیا چلو ان سے علاج کرالو۔ چنانچہ انہوں نے مجھے بعض تدابیر بتائیں۔ سو وہ تدابیر میں نے کر لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ اِس کا علاج کر سکیں گے۔ میں سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لاہور نہ جانے کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ اگر میں یہیں علاج کرالوں تو میری گھبراہٹ دُور ہو جائے گی۔ چنانچہ میں نے کل اُس جراح کو بلایا۔ میں نے ہدایت دی کہ ڈاکٹر منور احمد کو بھی بلا لیا جائے۔ چنانچہ انہیں بھی بلا لیا گیا۔ میں نے کہا ناخن کاٹنے سے شدید درد ہوگی۔ کیا اُسے روکنے کی بھی کوئی تجویز کر لی ہے؟ جراح نے کہا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں آرام سے ناخن کاٹ دوں گا، کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں نے کہا آپ نے پانی کی پٹی کیوں کروائی ہے؟ انہوں نے کہا پانی کی پٹی سے گوشت الگ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر منور احمد نے کہا جہاں تک ناخن ہے بس اُس قدر کاٹا جائے۔ جراح نے کہا اُس قدر ناخن کاٹنے سے فائدہ نہیں ہوگا۔ لیکن ڈاکٹر منور احمد نے کہا اس سے زیادہ نہ کاٹیں۔ چنانچہ اُس نے آدھا ناخن کاٹا اور وہ ناخن اِس طرح کٹ گیا جیسے روئی کاٹی جاتی ہے۔ اور میری طبیعت پر یہ اثر پڑا کہ جراح کو یہ فن آتا ہے۔ ناخن کے کٹ جانے سے زخم ننگا ہو گیا اور معلوم ہوا کہ زخم ابھی آگے جاتا ہے۔ چنانچہ جراح نے اَور ناخن کاٹنا چاہا۔ لیکن میاں منور احمد نے مزید ناخن کاٹنے کی اجازت نہ دی اور کہا مزید ناخن کاٹنے سے تکلیف ہوگی۔ جراح نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ مجھے تو اب تسلی ہو چکی تھی اس لیے میں نے ناخن کے اگلے حصہ کو کاٹنے کی بھی اجازت دے دی۔ چنانچہ اُس نے بقیہ حصہ بھی اِس طرح کاٹا کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ بعد میں ضرور تکلیف ہوئی۔ کیونکہ ناخن کا ایک

حصہ زخم میں گُھسا ہوا تھا۔ پہلے تو یہ خیال کیا کہ یہ اگر رہ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن بعد میں خیال کیا گیا کہ اگر یہ حصہ رہ گیا تو تکلیف ہوگی اس لیے جراح نے اُسے اوزار ڈال کر کھینچا جس سے کافی تکلیف ہوئی۔ بہرحال ناخن کاٹنے کے بعد پٹی کر دی گئی۔ اور آج زخم کی بظاہر کیفیت ایسی تھی جیسے آنکھ میں پھولا نکلا ہوا ہوتا ہے۔ اور زخم ناخن سے اونچا ہو گیا تھا۔ تاہم حالت درمیانی دَور میں ہے۔ زیادہ خراب نہیں۔ میں نے یہ تمام قصہ جمعہ میں بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ دوست ملنے آتے ہیں یا خطوط لکھتے ہیں تو بات کو کُریدتے رہتے ہیں۔ روزانہ پیغام آتے رہتے ہیں اب کیا حال ہے کیا علاج کیا؟ اس سے کیا فائدہ ہوا؟ آئندہ کیا علاج کرانے کا ارادہ ہے؟ اِس سے طبیعت گھبرا جاتی ہے۔ اور بعض دفعہ تو ملاقات میں یہ سلسلہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ تُرشی سے بات ختم کرنا پڑتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح فرمایا کرتے تھے۔ بندر کا زخم جلد اچھا نہیں ہوتا۔ جب کسی بندر کو کوئی زخم ہو جاتا ہے تو دوسرے بندر آ کر زخم میں انگلی ڈال ڈال کر دیکھتے ہیں۔ جس سے زخم بڑھ جاتا ہے اور زخمی بندر چڑ جاتا ہے اور پھر بھاگ کر جنگل کے کسی کونے میں چلا جاتا ہے۔ بہرحال بار بار ایک ہی قسم کے سوال سے طبیعت چڑ جاتی ہے۔ میری طبیعت تو بچپن سے کمزور ہے۔

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات سے دس پندرہ دن پہلے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بُلایا اور فرمایا ذرا محمود کو دیکھئے۔ مجھے تو اپنی صحت سے زیادہ اس کی صحت کا خیال ہے۔ میری اُس وقت ایسی حالت تھی کہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ میری عمر تیس پینتیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ لیکن خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں اب اس سے قریباً دگنی عمر کو پہنچ چکا ہوں۔ طبیعت اگرچہ کمزور ہی رہتی ہے۔ کبھی کوئی تکلیف ہو جاتی ہے اور کبھی کوئی تکلیف۔ لیکن پھر بھی اتنی عمر تک پہنچ چکا ہوں۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔

ہمارے ایک غیر احمدی دوست تھے بعد میں وہ احمدی ہو گئے۔ وہ احمدی ہونے سے چار پانچ سال پہلے قادیان آیا کرتے تھے۔ وہ جب بھی قادیان آتے مجھے ملنے کے لیے ضرور آتے۔ اور جب بھی آتے مجھے کھانسی یا کوئی اَور تکلیف ہوتی۔ ایک دن کہنے لگے آپ کو اتنی کھانسی ہے آپ جلسہ پر تقریر کیسے کریں گے؟ لیکن جب تقریر کی تو وہ چھ گھنٹے کی لمبی تقریر ہو گئی۔ دو تین سال بعد وہ دہلی کی جماعت کے ساتھ مجھے ملنے آئے تو کہنے لگے میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا

بڑے شوق سے پوچھیں۔ کہنے لگے کہ آپ سچ مچ بیمار رہتے ہیں یا بہانے بنایا کرتے ہیں؟ میں اُن کے اِس سوال پر حیران ہوا۔ وہ کہنے لگے ہم جب آپ کی مجلس میں آتے ہیں تو آپ کھانس رہے ہوتے ہیں۔ اور اِس قدر کھانسی ہوتی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں آپ چھوٹی سی تقریر بھی نہیں کر سکیں گے۔ لیکن جب تقریر کرتے ہیں تو وہ چھ چھ گھنٹے تک کی لمبی ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ بیمار بھی ہوتا ہوں تو وہ مجھ سے کام لے لیتا ہے۔ پس میں نے یہ سارا واقعہ اس لیے بیان کر دیا ہے کہ لوگ محبت کی وجہ سے زخم کے متعلق پوچھتے رہتے ہیں۔ سوکل ناخن کاٹا گیا ہے۔ اب دباؤ پڑے تو تکلیف ہوتی ہے ورنہ درمیانی کیفیت ہے۔ گوشت کا ٹکڑا لمبا ہو گیا ہے اور پھولا سا معلوم ہوتا ہے۔

دوسرے مجھے اِس سے خیال آیا کہ ہمارے پاس جو علوم تھے اور جن کی وجہ سے ہم دنیا میں سر بلند ہو سکتے تھے افسوس کہ ہم نے ان سے پوری طرح فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اِس بیماری کے سلسلہ میں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب لاہور گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک احمدی ڈاکٹر سے اِس بات کا ذکر کر دیا کہ میں ایک جراح سے علاج کروانا چاہتا ہوں تو وہ ڈاکٹر صاحب چونکہ دیسی طب کے سخت خلاف ہیں اس لیے کہنے لگے آپ حضور سے میری طرف سے عرض کر دیں کہ ایسا ہرگز نہ کرائیں۔ اور اگر ایسا کرانا ہی ہے تو پھر ہمیں بھی داتا گنج بخش صاحب کے دربار میں جانے کی اجازت دے دیں۔ یعنی جس طرح وہاں جانا بیوقوفی کی بات ہے اِسی طرح کسی دیسی جراح سے علاج کروانا بھی بیوقوفی کی بات ہے۔

بہرحال ہمارے ملک میں بعض ایسے فنون ہیں کہ اگر انہیں اب بھی استعمال میں لایا جائے تو ہمارا ملک ترقی کر سکتا ہے۔"

(غیر مطبوعہ مواد از خلافت لائبریری ربوہ)